شہید پاکستان محسن بچوں کا ادب

شہید حکیم محمّد سعید

عزم صمیم' جہد مسلسل اور قوت ایمانی کے ذریعہ انسان اپنی مشکل سے مشکل ترین منزل بھی حاصل کرسکتا ہے۔دنیا کے تمام افراد کی سوانح ہمیں یہ بھی درس دیتی ہے اور اسی پر عمل کرتے ہوئے حکیم محمد سعید نے اپنے تمام عزائم کو نہ صرف پایہ تکمیل تک پہنچایا بلکہ آنے والی نسلوں کی راہنمائی کے واسطے ایسی شمعیں روشن کیں جن کی لو سے علم کی روشنی دور تک پھیلنے کا سبب بن رہی ہے۔تقسیم ہند کے بعد وہ بھی بغیر کسی سہارے اور مال و دولت کے پاکستان آئے مگر ان کا سب سے بڑا سرمایہ ان کی قوت ایمانی' لگاتار محنت' دیانت داری اور وہ لگن تھی جس کی راہ میں بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی کوئی رخنہ نہ ڈال سکی۔طب کے حوالے سے،بچوں کے ادب کے حوالے سے بھی ان کی کاوشوں کو فراموش کرنا مشکل ہے۔

سابق نگراں گورنر سندھ،ہمدرد اطفال پاکستان،محب۔ وطن،محسن بچوں کا ادب۔مینار عظمت، شہید پاکستان ، ماہ نامہ ہمدرد نونہال کے بانی ،کئی کتابوں کے مصنف کی کتاب زیست کے ناقابل فراموش ابواب،جن کے ان مٹ نقوش آپ کے ذہن سے ہمیشہ کے لیے چسپاں ہو جائیں گے۔بادشاہ گر شہید حکیم محمد سعید کی زندگی کے بہت سے پوشیدہ پہلوؤں سے پردے اٹھاتی ایک خوب صورت تحریر۔

دہلی کے پالم ائر پورٹ پر جہاز روانگی کے لیے تیار کھڑا تھا۔

پاکستان کو آزاد ہوئے ابھی چند ماہ ہوئے تھے۔اس جہاز میں ہندوستان سے کافی مسلمان نئے ملک پاکستان کی طرف ہجرت کررہے تھے۔ان مسافروں میں ایک اٹھائیس سالہ نوجوان محمد سعید بھی تھا۔وہ ائرپورٹ پر اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ کھڑا تھا۔یہ 9 جنوری 1948ء کا دن تھا

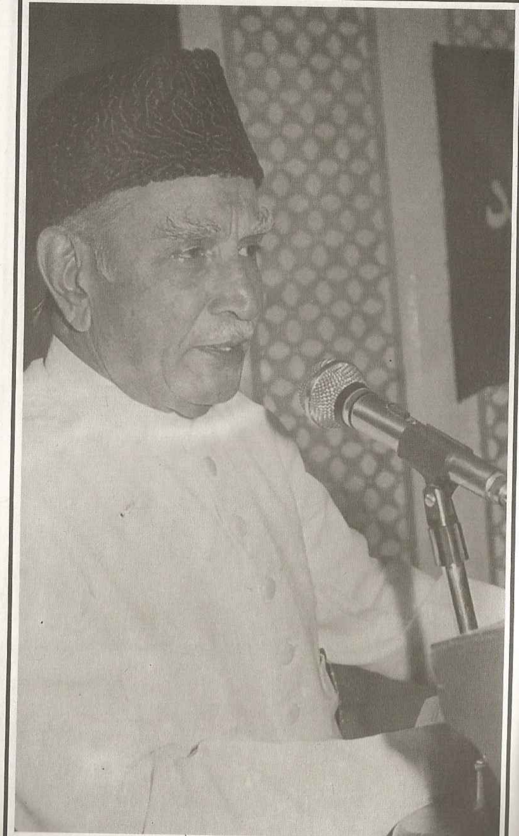

حکیم سعید کا ایک منفرد انداز

اور یہ اس کی سال گرہ کا بھی دن تھا۔

اسے الوداع کہنے کے لیے آنے والی ہر آنکھ اشکبار تھی۔ اس کے جاننے والے اور عزیز چاہتے تھے کہ وہ پاکستان نہ جائے۔ کیوں کہ وہ سب ہی کو عزیز تھا۔ بڑے بھائی کے لیے اس کی حیثیت ایک بازو کی سی تھی۔ اس نے کیا کیا خواب نہ دیکھے تھے کہ میں محمد سعید کے ساتھ مل کر طب مشرق کو بامِ عروج تک پہنچاؤں گا۔ مگر آج وہی بھائی اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو کر ایک نئے ملک اور انجانی منزل کی طرف رواں تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کو دیکھ کر محمد سعید کے ایک استاد نے کہا۔

''جانے دو! جب کراچی کی سڑکوں پر خاک چھانے گا تو فوراً ہی لوٹ کر دوبارہ دہلی آ جائے گا۔''

یہ محض چند الفاظ نہ تھے بلکہ بم کا گولہ تھے جو گویا اس نوجوان کے ارادوں کے مینار کو ہلا رہے تھے۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ اب کچھ بھی ہو جائے، میں دوبارہ یہاں واپس نہیں آؤں گا اور پاکستان میں ہی کچھ کر کے دکھاؤں گا۔

جیسے ہی جہاز نے اپنے سفر کا آغاز کیا اور آہستہ آہستہ رینگنا شروع کیا تو اس نے ایک حسرت بھری نگاہ اس شہر پر ڈالی جہاں اس کا سارا خاندان رہائش پذیر تھا۔ یہیں اس کا شرارتوں بھرا بچپن اور پرعزم جوانی کے ابتدائی سال گزرے تھے۔ آنکھوں میں جھلملاتے ہوئے آنسوؤں کی لڑیاں رواں ہوئیں اور ذہن کے دریچوں پر یادوں کے اوراق پلٹنے لگے۔

اور پھر اس کی نگاہوں میں اپنے بچپن کا ایک منظر گھوم گیا۔

بڑے بھائی اور بزرگوں کے ساتھ اس وقت وہ سب جنگل میں کسی شکار کی تلاش میں تھے۔ گرمی اور شدید دھوپ کے عالم میں دوپہر تک جب کوئی شکار ہاتھ نہ لگا تو وہ بڑا بے چین ہوا۔ ادھر پیاس کے مارے بھی حال برا ہو رہا تھا۔ اس نے گنے کے کھیت سے گزرتے ہوئے ایک گنّا توڑ کر چوسنا شروع کر دیا۔ بڑے بھائی نے دیکھا تو پوچھا۔

''گنا توڑنے سے پہلے کیا کھیت کے مالک سے اجازت لی تھی......؟''

یہ سوال اس کی سماعت سے ٹکرایا تو اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا، کیوں کہ یہ

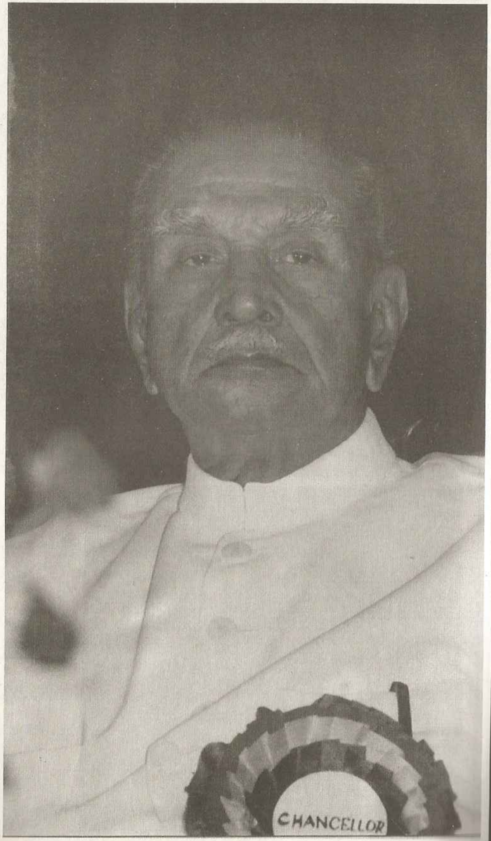

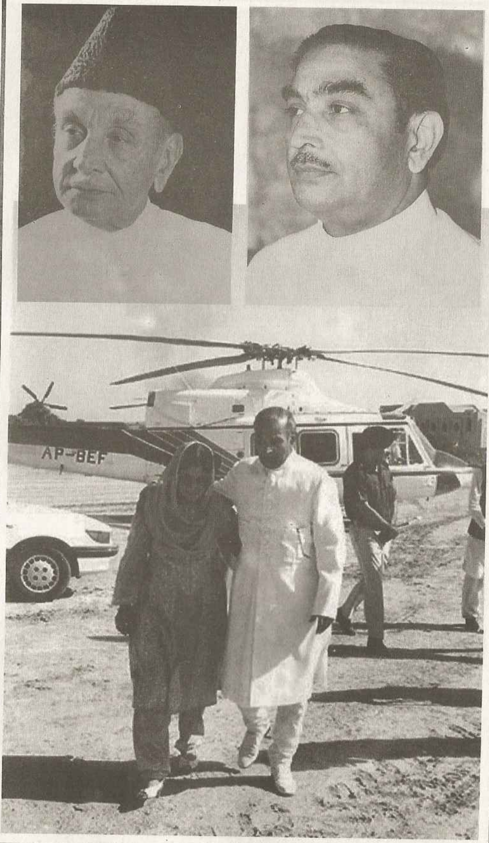

شہید پاکستان حکیم سعید اپنی صاحبزادی سعدیہ راشد کے ساتھ

حکیم سعید جواہر لعل نہرو کے ساتھ

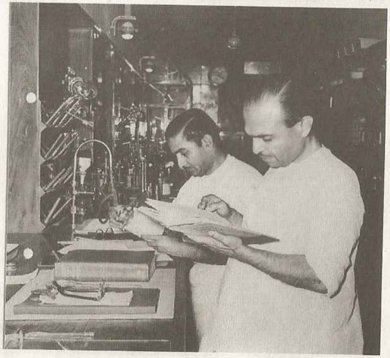

حکیم سعید ہمدرد لیبارٹری میں

سوانحی خاکہ

☆ پیدائش: 9 جنوری 1920ء دہلی

☆ شادی: 1943ء

☆ تعلیم: بی، ای، ایم، ایس (دہلی) ڈی ایس سی (میڈیسن آلٹرنیٹو)

☆ عہدے: چیئرمین ہمدرد وقف لیبارٹریز، صدر ہمدرد فاؤنڈیشن، بانی صدر، مدینہ الحکمت چانسلر ہمدرد یونیورسٹی، وقف متولی، ہمدرد بنگلہ دیش۔

☆ اعزازات: ستارہ امتیاز (پاکستان) 1966ء۔ اسلامک میڈیسن پرائز کویت 1982ء، بوعلی ابن سینا پرائز، 2000ء

☆ خطابات: سعید ملّت، قائد نونہال، سرسید ثانی، شہید پاکستان۔

☆ سرکاری عہدے: مشیر طب وصحت، صدر پاکستان 1979ء، گورنر سندھ 1993ء

☆ قلمی کاوشیں: اردو اور انگریزی کی 190 کتب تحریر کیں۔ پانچ سو سے زائد مختلف موضوعات پر مضامین لکھے۔ ایک سو کے قریب مقالے مختلف کانفرنسوں میں پڑھے۔

☆ ادارت: ہمدرد صحت، ہمدرد نونہال، اخبار الطب، آواز اخلاق، ہمدرد میڈیکس، میڈیکل ٹائمز، ہمدرد اسلامکس، اینڈیور، Spem

☆ شہادت: 17 اکتوبر 1998ء

خیال تو اسے آیا ہی نہ تھا۔ اب اسے شرمندگی ہونے لگی تھی۔ بڑے بھائی نے فوراً مالک کی تلاش شروع کروائی۔ جب وہ ملا تو اسے سارا ماجرا بیان کر کے گنے کی رقم لینے پر اصرار کیا۔ اس نے یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا!

''بچہ ہے۔ لے لیا تو کیا ہوا...... اسے ہماری طرف سے تحفہ سمجھ لیجئے۔''

وہ اب تک بھائی کی تربیت کا یہ انداز بھول نہ پایا تھا اور آج ہی اسی تربیت گاہ اور باپ جیسے شفیق بھائی سے اس کا ساتھ چھوٹ رہا تھا۔

جہاز اب اوپر اٹھ رہا تھا۔ اس کی نظریں دہلی کی طرف تھیں جو لمحہ بہ لمحہ اس سے دور ہو رہا تھا۔ اس شہر سے اس کی جذباتی وابستگی تھی۔ ایک بار پھر وہ ماضی کی یادوں میں کھو گیا۔ منظر نامے میں اس بار وہ بڑے بھائی حکیم عبدالحمید کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

''سعید میاں! تم کھیل تو سارے کھیل چکے۔ اب بتاؤ کیا ارادے ہیں؟ کیا زندگی اسی طرح کھیل کود میں بسر کرنی ہے یا کوئی کارنامہ بھی انجام دینا ہے؟''

وہ خاموش کھڑا بھائی جان کو دیکھتا رہا۔ وہ پھر بولے۔

’’اب تعلیم اور کھیل میں سے تمہیں کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا اور فیصلہ بھی تمہیں خود ہی کرنا ہے۔ جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو اور پھر مجھے بتاؤ۔‘‘

بالآخر فیصلہ تعلیم کے حق میں ہوا۔ نوعمر محمد سعید کسی اسکول میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ انہیں ابتدائی تعلیم گھر ہی میں دی گئی۔ ماسٹر اقبال حسین نے انہیں انگریزی اور ماسٹر ممتاز حسین نے اردو اور حساب پڑھایا۔ عربی اور فارسی کی تعلیم انہوں نے مشہور عالم مولانا قاضی سجاد حسین سے حاصل کی تھی۔ محمد سعید نے ناظرہ قرآن پاک چھ سال کی عمر میں اور حفظ نو سال کی عمر میں مکمل کر لیا تھا۔

سارے کھیل بند ہوئے اور پھر ایک دن بڑے بھائی حکیم عبدالحمید اس کا ہاتھ پکڑ کر دلّی میں مسیح الملک حکیم اجمل خان کے قائم کردہ طبیہ کالج لے گئے اور رجسٹرار سے داخلے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جب طالب علم کی عمر بتائی گئی تو رجسٹرار نے داخلہ دینے سے انکار کر دیا۔ وجہ یہ تھی کالج کے قواعد وضوابط کے مطابق اس کی عمر کم تھی۔ حکیم عبدالحمید تو اپنے چھوٹے بھائی کو داخلہ دلوانے کی نیت سے لائے تھے مگر ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ کسی طرح کالج کے قواعد وضوابط پر ضرب نہ پڑے۔ انہوں نے رجسٹرار صاحب کو مشورہ دیا کہ امیدوار کا انگریزی، اردو، عربی اور فارسی کا امتحان لے لیا جائے۔ اگر وہ کامیاب ہو جائے تو پھر داخلہ دینے پر غور کیا جائے۔ تجویز مناسب تھی۔ رجسٹرار نے امتحان لیا اور نتیجے کے طور پر محمد سعید نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ ایسے ہونہار طالب علم کو داخلہ دینا کالج کے مفاد میں بھی تھا۔ اس کی لسانیات پر خصوصی توجہ کالج میں داخلے کا سبب بنی۔ اس نوجوان نے بڑی لگن اور توجہ سے طب کی تعلیم مکمل کی اور پھر وہ محمد سعید سے حکیم محمد سعید بن گئے۔

یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ اسی دوران ہندوستان کے مسلمان بھی اپنی آزادی اور حقوق کے حصول کی جنگ میں مصروف تھے۔ بالآخر ان کی جدوجہد بار آور ہوئی اور 3 جون 1947ء کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے تقسیم ہند کا اعلان ہوا اور 14 اگست 1947ء کا دن اپنے جلو میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے آزادی کا سورج لے کر آیا۔

ایک بار پھر حکیم محمد سعید کی یادوں کا سلسلہ ٹوٹا۔ کیوں کہ اب جہاز کراچی کی سرزمین پر لینڈ کر چکا تھا۔ سب مسافر آہستہ آہستہ اترنے لگے۔ جہاز سے اترنے والوں میں حکیم محمد سعید بھی

تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور کمسن بچی تھی۔ اب کراچی ہی ان کا مستقل مسکن بننے والا تھا۔ وہ اپنے مختصر سے خاندان کے ساتھ جمشید کوارٹرز کی سب سے آخری کالونی ’’58 اپر سندھ‘‘ آ گئے، جہاں وہ اپنی رہائش کا بندوبست پہلے ہی کر چکے تھے۔ اس گھر میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ حتیٰ کہ جب رات کو سونے کے لیے تکیے کی ضرورت پڑی تو وہ بھی نہ تھا۔ مجبوراً ننھی بیٹی سعدیہ کے نہالچوں سے ہی کام لینا پڑا۔

کراچی میں ان کی پہلی صبح کا آغاز ہوا۔

اس نئی اور اجنبی جگہ پر عملی زندگی کا آغاز کیسے ہوگا۔ یہ انہیں نہیں معلوم تھا مگر وہ خود کو ذہنی اور جسمانی طور پر ہر کام کے لیے تیار کر چکے تھے۔ اب کیا کیا جائے؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ البتہ عزم وارادے کا ایک دریا ان کے اندر موجزن تھا۔ وہ جب ہندوستان میں تھے تو ہمدرد کا ایک وسیع کاروبار تھا۔ ہر طرف محبت بھری نظریں ان کا استقبال کرتی تھیں۔ وہ سب ہی کے منظور نظر تھے۔ ان کی کون سی خواہش تھی جو پوری نہ ہوئی ہو۔ ناز ونعم کے اس ماحول سے انہوں نے خود ہی تو نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ فیصلے کے وقت ان کے ایک عزیز نے مشورہ دیا تھا۔

’’یہ جو ہمدرد کا اتنا وسیع کاروبار ہے۔ اس کے وارث تم دونوں بھائی تو ہو۔ اس لیے اس میں سے اپنا حصہ لے کر پاکستان جاؤ تاکہ عملی زندگی کے آغاز میں تمہیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔‘‘

مگر انہوں نے مشورہ دینے والے کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا۔

’’یہ تو میری والدہ کی خواہش پر بھائی جان قوم کے نام وقف کر چکے ہیں اس لیے اس پر صرف اور صرف ہندوستان میں رہنے والے لوگوں کا ہی حق ہے اور میں اس میں سے ایک روپیہ بھی لے جانے کا روادار نہیں۔‘‘

اور یوں وہ خالی ہاتھ ہی پاکستان آئے۔

☆☆☆

حکیم محمد سعید جنوری 1920ء میں دلّی میں پیدا ہوئے۔ حکیم صاحب کے والد حکیم عبدالمجید کے پانچ بچے تھے جن میں محمد سعید سب سے چھوٹے تھے۔ حکیم صاحب کے آباؤ اجداد دستر ہویں

صدی کی ابتداء میں کاشغر سے ہجرت کر کے پشاور میں آبسے تھے مگر اسی سال بعد اس کنبے نے یہاں سے بھی ترکِ وطن کیا اور ملتان کو آباد کیا۔ 1820ء میں حکیم محمد سعید کے پردادا ملتان سے نکل کر کھڑے ہوئے اور انہوں نے دلی کا رخ کیا۔ حکیم صاحب کے دادا رحیم بخش پانی پت میں پیدا ہوئے مگر یہ لوگ پھر دلی میں آباد ہو گئے۔ اپنی جوانی میں رحیم بخش دلی سے پھر پانی پت لوٹ گئے جہاں حکیم سعید کے والد عبدالمجید 1883ء میں پیدا ہوئے لیکن پھر یہ خاندان واپس دلی لوٹ آیا' جسے انہوں نے اپنا مستقل ٹھکانا بنالیا۔

خاندانی روایات اور اس دور کے طریقوں کے مطابق حکیم سعید کے والد حکیم عبدالمجید نے سب سے پہلے قرآن حفظ کیا اور اس کے بعد فارسی اور خطاطی میں مہارت حاصل کی۔ حکیم صاحب کے بزرگوں نے اپنی ایک سے دوسری جگہ ہجرت اور پھر ملتان میں قیام کے دوران طبی جڑی بوٹیوں میں دل چسپی لینا شروع کی اور ان کا علم حاصل کیا۔ حکیم صاحب کے والد میں بھی یہ موروثی خوبی نمایاں ہوئی اور انہوں نے اپنے دور کے عظیم طبیب حکیم اجمل خان کے دواخانے میں شامل ہو کر یونانی اور اسلامی طریق علاج کی تربیت حاصل کی۔ یہاں حافظ حکیم عبدالمجید کو طب مشرق (یا جڑی بوٹیوں کی خصوصیات) کے وسیع مطالعہ کا موقع ملا اور جلد ہی انہوں نے نہ صرف اپنا علیحدہ مطب شروع کرلیا بلکہ دلی کے محلہ ''قاضی کے حوض'' میں ہمدرد دواخانے کے نام سے علاج معالجہ اور ادویات کی تیاری شروع کردی۔ ان کے بڑے بیٹے عبدالحمید ان ہی کے نقش قدم پر چلے اور باپ کے قائم کردہ ''ہمدرد'' کو وسعت دی۔ انہیں اپنے چھوٹے بھائی محمد سعید سے بڑی توقعات تھیں' مگر وہ مسلمانوں کے لیے حاصل کردہ نئے ملک کو چل دیئے۔

☆☆☆

آج محمد سعید گھر سے باہر نکل کر یہ سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے' وہ حافظ قرآن تھے۔ سوچا کہ چلو کسی اسکول میں بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینے کا فریضہ انجام دیتے ہیں تاکہ گزر بسر کا کوئی آسرا تو ہو' مگر یہ کام بھی نہیں بنا۔ ایک اسکول کے چوکیدار نے تو ان کی ظاہری حالت دیکھ کر انہیں اسکول کے اندر ہی داخل نہ ہونے دیا۔ اب وہ ہر روز صبح کام کی تلاش میں نکلتے تو پیدل ہی کراچی کی سڑکوں پر گھومتے رہتے۔ حالاں کہ ہندوستان میں ان کے پاس وہ شان دار گاڑی تھی جو

افکار سعید

☆ اگر پاکستان میں روزِ اوّل سے نافع اور اسلامی تعلیم کا آغاز کرایا جاتا تو آج پاکستان کا شمار دنیا کے عظیم ممالک میں ہوتا اور اقوام و ملک پاکستان کا اتباع کرتیں۔ مگر پاکستان میں ہم نے نافع تعلیم اور اسلامی تعلیم سے صرفِ نظر کیا۔ گناہ پر گناہ یہ پوری قوم کو جہالت کی تاریکیوں کے حوالے کردیا۔

☆ آج ریاست اسلامی پاکستان میں ایک حشر برپا ہے۔ ایک قیامت ہے کہ پاکستان پر ٹوٹ پڑی۔ اقتدار ہو کہ اختلاف' سیاست ہو کہ صحافت' امامت ہو کہ امارت۔ سب کے سب دولت کے پجاری بنے ہوئے ہیں۔ اس سے بڑی قیامت بھی بھلا کوئی ہوسکتی ہے کہ ہر انسان اپنا ایمان فروخت کرتا چلا جارہا ہے۔ ہر شخص اپنی خودداری کا نیلام عام کررہا ہے اور دولتوں کے انبار لگائے چلا جارہا ہے۔ اپنی آزادی فروخت کررہا ہے اور پاکستان کی آزادی سے کھیل رہا ہے۔ دولت کو دیکھ رہا ہے اور پاکستان سے آنکھیں بند کیے چلا جارہا ہے۔

اس وقت صرف اور صرف وائسرائے ہی خریدنے کا متحمل ہوسکتا تھا مگر پھر بھی آج پیدل گھومتے ہوئے ان کے دل میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی احساس تاسف نہیں تھا۔ ہاں البتہ اب انہیں پیدل سفر کے دوران بھوک بہت لگنے لگی تھی۔ اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ گھر آکر بیگم سے کہا ''اب روزانہ صبح ناشتے میں مجھے موٹا سا پراٹھا بنا کر دیا کرو تاکہ جلد بھوک نہ لگے۔''

ایک نئے ملک میں ناکافی وسائل کے ساتھ ایک طرح کی مفلوکانہ زندگی گزارنا آسان نہیں تھا مگر محمد سعید کے اندر انتہائی پائیدار جذبے موجود تھے اور ان کا عزم صمیم' ان کے پختہ ارادوں کو قائم رکھے ہوئے تھا۔

کئی روز کی کوششوں کے بعد بالآخر انہیں ایک اسکول میں پڑھانے کا کام مل گیا۔ انہوں نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ پاکستان میں ان کی پہلی ملازمت تھی' مگر عارضی تھی۔ اسی دوران وہ برابر کوشش میں لگے رہے کہ اپنے بڑے بھائی کی خواہش کے مطابق وہ طب کا خاندانی پیشہ اپنائیں۔ انہیں ایک روز خیال آیا کہ آخر مطب کیوں نہ شروع کیا جائے۔ مگر کہاں؟

یہ بھی ایک اہم اور تکلیف دہ مسئلہ تھا کہ خالی ہاتھ مطب کے لیے جگہ کیسے حاصل کی جائے۔ خاصی بھاگ دوڑ کے بعد اعوان لاج کا ایک کمرا پسند آیا۔ اس کا مالک ایڈل ڈنشا تھا جو پگڑی کی رقم لیے بغیر کمرا کرائے پر دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ حکیم محمد سعید بھی اس پر کھلے لفظوں میں واضح کر چکے تھے کہ ''مجھے ماہانہ کرایہ پچاس روپے منظور ہے مگر پگڑی کے لیے کوئی رقم میرے پاس

نہیں ہے۔" اس نے انکار کر دیا۔

حکیم محمد سعید کم و بیش روزانہ ہی اس کے پاس آتے رہے۔ بالآخر ایک روز اس نے ان کے عزم اور حوصلے کی داد دیتے ہوئے اپنے مطالبے سے دستبرداری کا فیصلہ کیا اور انہیں بغیر پگڑی لیے کمرا کرائے پر دے دیا۔ اس کمرے میں فرنیچر نہیں تھا لہٰذا انہوں نے ساڑھے بارہ روپے ماہانہ کرائے پر ضروری فرنیچر حاصل کیا اور یوں مطب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ گویا پاکستان میں ہمدرد کا آغاز تھا۔

مطب کے بعد اب انہیں دواسازی کی بھی فکر ہوئی۔ اس کے لیے بھی کشادہ جگہ کی ضرورت تھی۔ اس بار ان کی نگاہِ انتخاب دھرم شالہ روڈ پر واقع ایک جگہ پر پڑی جس کی الاٹمنٹ جمشید نسروانجی کے ذریعے ہی ممکن تھی۔ اس موقع پر ان کے بزرگ سید میران محمد شاہ مدد کو آگے بڑھے اور انہوں نے حکیم محمد سعید کو ایک تعارفی رقعہ جمشید نسروانجی کے نام دیا۔ جب ان کی ملاقات جمشید صاحب سے ہوئی تو انہوں نے پوچھا۔

"تم جوان ہو...... یہ جگہ لے کر کیا کرو گے......؟"

"میں حکیم ہوں، مطب قائم کر کے دوا سازی کروں گا۔ اس طرح لوگوں کی خدمت ہوگی۔" حکیم صاحب نے نہایت متانت سے جواب دیا۔

"جمشید نسروانجی نے بخوشی اعوان لاج کے سامنے والا حصہ انہیں دے دیا اور یوں مطب کے ساتھ ساتھ دواسازی کے کام کا بھی آغاز ہو گیا۔ بعد میں ان کے بہنوئی حکیم محمد یحییٰ بھی دہلی سے آ گئے جس سے انہیں کافی سہارا ملا اور دواسازی کا کام پھیلنے لگا اس دوران بھائی حکیم عبدالحمید نے انہیں دہلی سے ہمدرد کے گرائپ واٹر "نونہال" کی سیکڑوں بوتلیں بھیج دیں۔ یہ ہمدرد پاکستان کے مالی استحکام کا سبب بنا۔

دہلی سے چلتے وقت حکیم محمد سعید کی والدہ نے آنسوؤں کے ساتھ انہیں رخصت کیا تھا اور بہو کے ہاتھ میں ایک تکیہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اسے سنبھال کر رکھنا۔ ایک دن نعمت بیگم نے کسی خیال کے تحت اس تکیے کو ادھیڑا تو اس میں سے کرنسی نوٹ برآمد ہوئے۔ وہ دونوں ماں کی محبت اور ایثار کے اس جذبے سے بے حد متاثر ہوئے۔ ماں نے خالی ہاتھ جانے والے سب سے چھوٹے بیٹے کی

مالی مدد کا یہ انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا۔ حکیم محمد سعید کو ایسے حالات میں اس رقم نے بہت سہارا دیا۔

دواسازی کا کام شروع ہوا تو ادویات کی تیاری کے بعد اسے فروخت کرنے کے لیے بھی ایک بڑی جگہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اب تک حکیم محمد سعید مالی طور پر کافی مستحکم ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فریئر روڈ پر ایک دکان خرید لی۔ اسی دوران ان کے ایک کرم فرما بزرگ سید میراں محمد شاہ نے جو اس وقت وزیر مہاجرین تھے انہوں نے بجلی کا کنکشن فوراً دلوا دیا (بعد میں میراں محمد شاہ اسپین میں سفیر بھی رہے۔ واپس پاکستان آ کر KDA کے صدر بنے) ایک روز انہوں نے حکیم محمد سعید سے کہا۔

"میاں سعید! پاگل نہ بنو۔ اپنے لیے کوئی بڑا سا پلاٹ زمین کا ٹکڑا پسند کر لو۔ میں الاٹ کیے دیتا ہوں۔"

مگر وہ نہ مانے۔ جو گھر تھا وہ بھی ان کی بیگم کے نام تھا' ان کی بیگم کے انتقال کے بعد انہوں نے یہ گھر اپنی بیٹی سعدیہ راشد کے نام کرا دیا اور یوں وہ اپنی بیٹی کے کرایے دار بن گئے اور ہر ماہ اسے نقد کرایہ ادا کرتے رہے۔

اسی دوران ان کے ساتھ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ ایک روز پولیس نے مطب پر دھاوا بول دیا۔ پولیس پارٹی کے انچارج ڈی ایس پی حامد حسین کا مؤقف تھا کہ مطب پر قبضہ غیر قانونی ہے اور پولیس حکیم محمد سعید کی بات آسانی سے ماننے کو تیار نہ تھی۔ بال آخر کافی پریشانی کے بعد یہ مسئلہ حل ہوا اور حکیم صاحب کو ذہنی کوفت سے نجات ملی۔

حکیم محمد سعید کا معمول تھا کہ وہ مطب میں بیٹھ جاتے۔ مریض باری باری آتے اور مرض کی کیفیت بیان کرنے کے بعد دوا لے کر چلے جاتے۔ ایسی ہی قطار میں ایک دن جمشید نسروانجی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنی باری پر وہ آئے فرضی مرض بیان کیا' نسخہ لیا مگر دوائی نہیں لی۔ بعد میں کسی نے نسروانجی سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی؟ تو انہوں نے کہا "میں یہ دیکھنے کے لیے آیا تھا کہ مطب کیسا چل رہا ہے اور کیا واقعی یہ جگہ صحیح معنوں میں اسی کام کے لیے استعمال ہو رہی ہے جس کے لیے میں نے دی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ مطب کے ذریعے دکھی اور بیمار لوگوں کی خدمت ہو رہی ہے۔"

ادھر ہمدرد کی تیار کردہ مصنوعات کی فروخت میں بھی دن بدن اضافہ ہوتا گیا اور دواسازی کے کام کے لیے مزید جگہ کی ضرورت ناگزیر ہوگئی۔ منصوبہ بندی کے بعد ناظم آباد میں فیکٹری کے لیے ایک وسیع جگہ خریدی گئی جس کے لیے ان کی بیگم کا زیور تک بک گیا۔ یوں ہمدرد لیبارٹریز کا کاروبار وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ اسی دوران انہوں نے بھارت سے آئی ہوئی گرائپ واٹر کی بوتلوں کی قیمت بھی اپنے بھائی حکیم عبدالحمید کو واپس بھجوادی تا کہ ان کے قول وعمل میں کوئی تضاد نہ رہے۔ انہوں نے ہندوستان سے روانگی کے وقت کہا تھا کہ ''ہمدرد (وقف) انڈیا پر وہاں کے بسنے والوں کا ہی حق ہے۔''

پاکستان میں ہمدرد کے پھلتے پھولتے کاروبار کو انہوں نے 1953ء میں والدہ کی خواہش اور بڑے بھائی کی تقلید میں قوم کے نام وقف کردیا۔ اسی سال انہوں نے بچوں کی تفریح، تعلیم اور تربیت کے لیے ایک ماہنامہ ''ہمدرد نونہال'' جاری کیا جو اپنے اندر بچوں کے لیے بے پناہ دل چسپی، معلومات اور تربیت کے کئی گر لیے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ رسالہ آج بھی بلا ناغہ اسی آب وتاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

دوسال بعد پاکستان بھر کے اطبا کی رہنمائی اور ان سے رابطے کے لیے ''اخبار الطب'' جاری کیا۔ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی......؟ اس کے لیے طبی تحریک کا پس منظر جاننا یقیناً دل چسپی کا باعث ہوگا۔

پاکستان کے قیام کے دوسال بعد ہی پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن نے ایک قرارداد پیش کی کہ طب یونانی غیر موثر اور فضول ہے۔ اس لیے اسے ممنوع قرار دیا جائے۔ 1950ء میں یہاں تک ہوا کہ رجسٹرار سندھ میڈیکل کونسل نے تمام اطبا کو نوٹس جاری کردیے کہ وہ مطب کرنے کے مجاز نہیں۔ بعد ازاں ایک طبی بل اسمبلی میں پیش ہوا۔ ایک طویل جدوجہد کے بعد بالآخر 17 اپریل 1957ء کو اس وقت کے وزیر صحت ظہیر الدین نے بل پیش کیا جو منظور کرلیا گیا۔

اس بل کی منظوری سے ایک سال قبل ہی حکیم محمد سعید نے طب مشرق کے احیاء کے لیے انجمن ترقی طب کے سیکریٹری کی حیثیت سے مختلف سیاست دانوں، ارکان اسمبلی اور اخبار وجرائد کے حوالے سے ایک تحریک چلائی جو بارآور ثابت ہوئی۔ اس تحریک کے نتیجے میں ایک طبی بورڈ

دادا......حافظ رحیم بخش   نانا......شیخ کریم بخش

والد......حکیم حافظ عبدالمجید   والدہ......رابعہ بیگم

بھائی بہن......حمیدہ بیگم، حکیم عبدالحمید، محمودہ بیگم، حافظ عبدالوحید

شریک حیات......نعمت بیگم   اولاد......سعدیہ راشد

نواسیاں......ڈاکٹر ماہم منیر احمد، آمنہ ہمایوں میاں، فاطمۃ الزہرہ منیر احمد

داماد......بیرسٹر راشد منیر احمد

قائم ہوا۔ جدوجہد ہوئی اور بالآخر 3 دسمبر 1966ء کو کراچی میں شاہراہ حکیم ابن سینا پر ادارہ حکمت وتحقیقات طب کا قیام عمل میں آیا۔ طب کے فروغ کے لیے انہوں نے ایک کوشش اور کی اور وہ یہ کہ انہوں نے کراچی میں ہمدرد طبیہ کالج قائم کیا۔ اس کا افتتاح 14 اگست 1958ء کو قائد اعظم کی عزیز بہن محترمہ فاطمہ جناح نے کیا تھا۔

جون 1956ء کی بات ہے جب ایک دن شدید گرمی میں وہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد گھر لوٹے تو سخت کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ ان کا دل ڈوبنے لگا اور کچھ دیر بعد وہ بے ہوش ہوگئے۔ دوست احباب بھاگ کر آئے اور فوراً ہی انہیں اسپتال لے جایا گیا۔ طبی معائنے کے بعد معلوم ہوا کہ بلڈ پریشر انتہائی کم اور دل کی کیفیت بے حد نازک ہے۔ معالجین نے ہدایات دیں کہ ہر قسم کی حرکت سے گریز کیا جائے۔ غسل تو در کنار وضو بھی نہ کیا جائے۔ حکیم محمد سعید کو ہوش میں آنے کے بعد ان احتیاطی تدابیر سے آگاہ کردیا گیا۔

معالجین کو خطرہ تھا کہ انفلوئنزا کے جراثیم دل پر حملہ آور ہوچکے ہیں اور اس سے ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ان کا مشورہ تھا کہ مریض کو نماز بھی اشاروں سے پڑھنا ہوگی۔ برش کرانے کا فرض بھی نرس انجام دے گی۔ اب حال یہ تھا کہ مریض کی معمولی سی حرکت تک معطل کردی گئی۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ تھوڑی دیر بعد بخار نے آدبوچا اور اس نے تریاق کا کام کیا۔ خون کا دباؤ بحال ہونے لگا اور کمزوری میں بھی رفتہ رفتہ کمی ہونے لگی۔ دل کی حرکت بھی معمول پر آگئی اور آنکھیں خود بخود کھلنے لگیں۔ رات ایک بار پھر معالجین نے معائنے کے بعد بتایا کہ دل کی حالت

نازک ہے اور کسی بھی وقت یہ دوبارہ ٹھہر کر زندگی سے رشتہ توڑ سکتا ہے۔ یہ ان کی قوت برداشت کا امتحان تھا۔ موت انہیں چند قدم کے فاصلے پر نظر آ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ادھر حرکت کی نہیں اور موت آئی نہیں۔

رات پابندیوں کے سائے میں کٹی۔ صبح ہوئی تو انہوں نے چپکے سے غسل کیا اور نماز فجر ادا کی۔ ''یا قوی'' کا ورد کیا اور پھر کسی کو پتا چلنے سے قبل ہی دوبارہ بستر پر دراز ہو گئے۔ اب تو یہ روزانہ کا معمول ہو گیا۔ نرس کے کرنے کا کوئی کام ہی نہ رہا۔ وہ بے کاری سے بیزار ہو کر چلی گئی۔

معالجین مطمئن تھے کہ مریض پوری طرح ان کی ہدایات پر عمل کر کے صحت یابی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایک روز انہوں نے اپنی حالت پر خود غور کرنا شروع کیا۔ پھر تازہ گلاب کا ایک پھول عرق گلاب میں پیس کر اس میں شہد ملایا اور پینا شروع کر دیا۔ اس کے بعد پان کا پتا پودینہ اور ادرک کو جوش دے کر پینا شروع کیا۔ انہی دنوں انفلوئنزا اور ہارٹ اٹیک کے سبب تین اموات تواتر کے ساتھ ہوئیں اور یہ تینوں شخصیات نامور تھیں۔ ان میں لندن میں متعین ایک پاکستانی سفارت کار محمد سلیم، سر آغا خان اور فلم ساز فضل کریم شامل تھے۔ ان باتوں نے بھی ان پر وحشت طاری کر دی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اس قسم کی خبریں مریض کو معالجین کی ہدایات کا سختی سے پابند کرواتیں، مگر یہ مریض تو کچھ اور ہی انداز کا تھا۔ موت کو ابدی زندگی سے رابطے کا وسیلہ سمجھتا تھا۔ انہوں نے ایک نرالی حرکت کی۔ چپکے سے ریل کا ٹکٹ کٹایا اور راولپنڈی پہنچ گئے۔ پہلی رات ایک دوست صفدر کے ہاں بسر کی۔ دوسرے دن ایبٹ آباد چلے گئے ایبٹ آباد سے نتھیا گلی پہنچے اور وہاں چند دن رہنے کا ارادہ کیا۔ صفدر سے قسم لی کہ ''میرا پتہ کسی کو نہ بتانا۔''

اب نتھیا گلی کی فضائیں تھیں اور تنہائی۔ انہوں نے اپنا رابطہ مکمل یک سوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جوڑا اور سوچنے لگے کہ میں بیمار ہونے سے قبل خود اپنے دن رات کے آرام سے بالکل بے خبر ہو گیا تھا اور انفلوئنزا کے مریضوں کی خدمت میں مصروف رہا۔ مجھے ان مریضوں سے ملنے والی تمام روحانی دعائیں کہاں گئیں؟ کیا وہ فضا میں تحلیل ہو گئیں؟ نہیں نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا۔

انہیں اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسا تھا۔ ان لمحات میں فکر بیدار ہوئی اور روح کو تازگی ملی اور روحانی مسرتوں نے مرض سے آہستہ آہستہ نجات دلانی شروع کی۔

افکار سعید

☆ ''ہمیں ہر حال میں یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ انگریزی عالمی زبان کو ثانوی تعلیم میں اختیار کیا جائے۔ دنیا کا ہر آزاد ملک ابتدائی تعلیم قومی زبان میں دیتا ہے۔ جرمنی کئی دہائیوں تک انگریزوں کے زیر اثر رہا اور امریکا کا ماتحت رہا مگر ذریعہ تعلیم جرمن زبان ہی رہی۔ یہی حال جاپان کا ہے، چین کا ہے اور دنیا کے ہر ملک کا ہے۔ ہم نے پاکستان میں ابتدائی تعلیم کے لیے انگلش میڈیم کی اجازت دے کر پاکستان کی اساس اور بنیاد کو نقصان پہنچایا ہے اور تہذیب مغرب کو ہوا دی ہے۔''

☆ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے، مقام غیرت نہیں ہے کہ ہم پاکستان میں پچاس سال سے 27 رمضان اور قیام پاکستان کی اہمیت سے قطعاً صرف نظر کر رہے ہیں۔ اس سے بڑی بدبختی بھی کیا اور ہو سکتی ہے کہ منشائے الٰہی 27 رمضان قیام پاکستان ہے اور ہم 14 اگست کو ترک کرنے کے لیے تیار نہ کل تھے اور نہ آج ہیں!''

حکیم محمد سعید ہمدرد کے فروغ اور پاکستان کو مستحکم کرنے کے لیے اپنا ہر لمحہ اور ہر سوچ قربان کر چکے تھے۔ یہ پاکستان کی بدقسمتی تھی کہ اس کے قیام کے تقریباً ایک سال بعد ہی پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح انتقال کر گئے۔ اس کے بعد ملک کے تمام تر انتظامی معاملات کی ذمے داری قائد ملت لیاقت علی خان کے کاندھوں پر آن پڑی اور پھر 16 اکتوبر 1951ء کو لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد اقتدار کے حصول کے لیے جو رسہ کشی ہوئی اور جس طور کے لوگ حکمران بن بیٹھے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس عرصے میں پاکستان کے قیام کی اصل روح ہی فراموش کر دی گئی تھی۔ یہ بات حکیم محمد سعید کو بہت کھٹکتی تھی، لہٰذا انہوں نے ہمدرد کے پلیٹ فارم سے تمام تر دستیاب وسائل بروئے کار لا کر ''شام ہمدرد'' کا آغاز کیا۔ جس کا مقصد شروع میں تو عظیم پاکستانیوں کو وثیقۂ اعتراف پیش کرنا تھا، مگر بعد ازاں اس کے مقصد کو مزید وسعت دیتے ہوئے ایک ایسا فکری ادارہ بنا دیا گیا جس میں علماء اور دانشور حضرات بیٹھ کر غور و فکر کرتے اور ملکی مسائل کے حل کے لیے تمام ممکنہ تدابیر تحریری رپورٹ کی صورت میں حکومت کو بھیجتے تاکہ ملک میں ترقی اور سدھار کا راستہ ہموار ہو۔ بعد میں اسے ہمدرد مجلسِ شوریٰ کا نام دے دیا گیا۔

حکیم محمد سعید کھلے دل و دماغ کے آدمی تھے۔ انہوں نے طب یونانی کو طب مسلمانی کہا اور زندگی بھر اس کے فروغ کے لیے کوشاں رہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کے مثبت پہلوؤں کے بھی معترف رہے۔ 1963ء میں چین جانے والے طبی وفد میں وہ بھی

شامل تھے۔انہوں نے چین میں رہ کر وہاں کی طب کا بغور مشاہدہ مطالعہ کیا اور واپس آکر کتاب ''میڈیسن ان چائنا''، لکھی جو بہت مقبول ہوئی۔اس کتاب کے بارے میں چینی دانشوروں کا خیال ہے کہ حکیم محمد سعید نے ہمارے لیے وہ کام کیا ہے جو ہمارے اپنے نہ کر سکے۔

طب کے فروغ کے لیے ان کی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے انہیں 1966ء میں ''ستارہ امتیاز'' سے نوازا۔

انہوں نے ملک میں طب کے حوالے سے تحقیقی کام کو سرکاری سطح پر کرنے کی کوشش کی مگر انہیں اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ایک بار انہوں نے کویت کے شیخ کو اسلامی تحقیقاتی ادارے کے قیام کا مشورہ دیا۔جواب میں انہیں دس منٹ کی ملاقات کی اجازت ملی۔وہ جب کویت جا کر شیخ سے ملے تو انہوں نے کہا ''میں آپ کا نیا کارڈیولوجی سینٹر دیکھ کر آیا ہوں۔وہ بہت اچھا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تحقیقی ادارے کی بھی اشد ضرورت ہے۔'' حکیم محمد سعید نے اس موقع پر بتایا ''ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دل کا درد اٹھا۔پسینہ بھی آنے لگا۔یہ دل کے دورے کی علامت تھی۔آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پہلے کسی طبیب کے پاس بھیجنے کا کہا مگر پھر واپس بلالیا کہ اس سے کام نہیں ہوگا۔آپ نے سات عدد کھجوریں مع گٹھلیوں کے پیس کر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پلایا۔اس سے دل کا درد دور ہو گیا۔حکیم محمد سعید نے کہا کہ ان دواؤں کے خواص کو جاننے کے لیے اسلامی تحقیقاتی ادارے کی اشد ضرورت ہے۔شیخ ان سے متفق ہوئے اور ادارے کے قیام کی اجازت دیتے ہوئے 60 کروڑ روپے اس کے لیے مختص کر دیئے۔باتوں کا سلسلہ 10 منٹ کے بجائے 65 منٹ تک جاری رہا مگر شیخ نے انہیں نہ ٹوکا، بلکہ ملاقات کے اختتام پر انہیں خود دروازے تک چھوڑنے آئے۔

بابائے بصریات ابن الہیثم کی تحقیقات اور کام سے مسلمانوں کی بے خبری حکیم محمد سعید کو بہت کھٹکتی تھی۔ایک ابن الہیثم ہی کیا ہمارے اسلاف میں سے کئی نامور مسلمان سائنس دانوں کی عظیم علمی تحقیقات اور سائنسی کارناموں سے عالم اسلام کی بے خبری قابل افسوس ہے۔بتایا جاتا ہے کہ انسانی جسم میں خون کی گردش کا پہلا نظریہ ولیم ہاروے نے پیش کیا تھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے کئی سو سال پہلے مشہور مسلمان سائنس دان ابن النفیس یہ نظریہ پیش کر چکے تھے۔حکیم محمد سعید

افکار سعید

☆ اے اللہ! دشمن اسلام کو نیست و نابود فرما، جیسی دعاؤں کے لیے آج بھی ہمارے ہاتھ بلند و دراز ہیں مگر اللہ تعالیٰ کیسے ان دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔جب کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ پورا عالم عرب و اسلام روحِ فکر سے خالی ہو چکا ہے۔روح عمل سے بیگانہ ہو چکا ہے۔تعلیمات قرآن حکیم سے غافل ہو چکا ہے۔عبادت الٰہی سے عاری ہو چکا ہے۔سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فراموش کر چکا ہے۔''

☆ ''پاکستان میں گزشتہ پچاس سال سے تعلیم کے ساتھ جو مذاق جاری ہے اس نے پاکستان کو آج غلامی کی ذہنی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔تعلیم ہی نقطہ وہ ہتھیار ہے جس کی طاقت سے قلوب فتح کیے جاتے ہیں۔فکر اغیار پر قابو حاصل ہوتا ہے۔حفظ حریت وطن کا جذبہ فراواں ہوتا ہے۔خودی اور خودداری کا تصور قائم رہتا ہے۔''

نے نومبر 1969ء میں ابن الہیثم کا ہزار سالہ جشن منانے کا اہتمام کیا اور اس جشن کے تحت مختلف مقامات پر شام ہمدرد میں مذکرات ہوئے۔انہوں نے اس عظیم شخصیت پر تحقیقی کام کا آغاز کیا۔ابن الہیثم کی عربی تصنیف ''کتاب المناظر''، علم بصریات پر سب سے پہلی جامع کتاب ہے۔حکیم محمد سعید نے اس کی تلاش شروع کی۔یہ کتاب ناپید تھی۔تلاش کے دوران معلوم ہوا کہ اصل عربی کتاب کو اس وقت ہی ضائع کر دیا گیا تھا جب ایک برطانوی ماہر بصریات نے اس کا انگریزی ترجمہ لکھ کر اسے اپنی کتاب بنا کر پیش کیا۔جب حکیم محمد سعید نے معلومات حاصل کرنا شروع کیں تو وہ اس راز تک پہنچے اور پھر اس کی کھوج میں لگ گئے۔وہ ''کتاب المناظر'' کی تلاش میں پہلے ترکی گئے، بعد میں بغداد اور مصر گئے۔یہاں سے بھی ناکامی ہوئی تو انہوں نے اسپین کا رخ کیا۔بالآخر ان کی کوششیں رنگ لائیں اور وہ ''کتاب المناظر'' کا نسخہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے انہیں معلوم ہوا کہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ہارورڈ یونیورسٹی کے ڈاکٹر اے آئی صابرا نے کیا ہے۔ڈاکٹر کا تعلق مصر سے تھا۔حکیم محمد سعید اس کتاب کے لیے کئی بار ہارورڈ یونیورسٹی گئے اور یوں یہ ترجمہ ان کی کوششوں سے منظر عام پر آیا۔بعد میں پاکستان کے محکمہ ڈاک نے ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا۔انہوں نے ''کتاب المناظر'' کے علاوہ ابن الہیثم کے سات مقالات کا بھی اردو ترجمہ کروا کر اسے بڑے اہتمام سے شائع کروایا۔

حکیم محمد سعید کی دوسری پسندیدہ شخصیت ابوریحان محمد بن احمد البیرونی کی تھی جس کے

کارناموں کو اجاگر کرنے اور ان کی کتب کو سامنے لانے کے لیے انہوں نے پاکستان کے علاوہ دنیا کے دیگر ملکوں میں اس کی کمیٹیاں بنوائیں اور اس کا کام کو پھیلایا۔ انہی کی کوششوں سے البیرونی پر ایک بین الاقوامی کانفرنس بھی ہوئی۔

جب ایوب خان برسر اقتدار تھے تو انہوں نے حکیم محمد سعید کو سیاست میں حصہ لینے کا مشورہ دیا، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ مولانا کوثر نیازی سے حکیم محمد سعید کے دیرینہ تعلقات تھے اور باوجود سیاسی اختلاف کے دونوں تاعمر اچھے دوست رہے۔

انہی دنوں کی بات ہے، حکیم محمد سعید کی تلّی بگڑ چکی تھی مگر انہوں نے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو وہ اس سے قبل اپنے دل کے ساتھ کر چکے تھے۔ وہ 1970ء میں امریکا کے دورے پر گئے۔ محمد شعیب وہاں موجود تھے۔ وہ دونوں گہرے دوست تھے۔ محمد شعیب وزیر خزانہ بھی رہ چکے تھے۔ انہوں نے حکیم محمد سعید کو طبی معائنے کا مشورہ دیا۔ سرجن برنارڈ والش نے معائنہ کیا اور مختلف رپورٹس کے نتیجے میں زیادہ فعال تلی کو نکالنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ فیصلہ نہ صرف سرجن کا تھا بلکہ دوست احباب کی رائے بھی اسی کے حق میں تھی۔ حکیم محمد سعید نے ان سب کا شکریہ ادا کیا اور ایک بار پھر اس ارادے کا اظہار کیا کہ وہ اپنا علاج خود کریں گے۔

اسی زمانے میں ان کی ملاقات ایک ایسی امریکی خاتون سے ہوئی جو ''کافی کپ'' پڑھنے میں بڑی مشہور تھی۔ حکیم محمد سعید اس ملاقات سے قبل ''کافی کپ'' کو مذاق سمجھتے تھے۔ ان خاتون کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کافی بنا کر پلاتی اور پھر کپ میں بچ جانے والی تلچھٹ ہلانا شروع کر دیتی۔ اس طرح کافی کے کپ میں ان کے مطالعے کے لیے نقش ونگار بن جاتے۔ وہ ان کا مطالعہ کر کے کافی پینے والے کا ماضی، حال اور مستقبل بیان کر دیتی۔

بڑی مشکل سے حکیم محمد سعید ان خاتون سے ملاقات کے لیے راضی ہوئے۔ ایک دن ملاقات کا وقت طے ہوا۔ مقررہ دن وہ خاتون آ گئیں اور اپنے ساتھ لائی ہوئی کافی بنا کر انہوں نے حکیم محمد سعید کو پلائی۔ بچ جانے والی تلچھٹ سے اس نے پڑھنا شروع کیا اور ان کا ماضی بتاتے ہوئے کہا کہ ''خدمت خلق کے شعبے میں ان کی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے اور یہ بعد میں بھی یاد رکھی جائیں گی۔''

حال کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ ''یہ اپنی بیماری کا علاج خود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ایسا کرنا نقصان دہ ثابت ہوگا''۔ مستقبل کے بارے میں ان کی گھریلو زندگی کے متعلق بتاتے ہوئے کہا کہ ''ان کی بیٹی سعدیہ راشد کے ہاں کئی بیٹیاں پیدا ہوں گی۔'' آج حکیم محمد سعید کی نواسیوں کی تعداد تین ہے۔

حکیم محمد سعید امریکا میں آپریشن کروائے بغیر پاکستان آ گئے۔ بعد ازاں ان خاتون کی بات سچ ثابت ہوئی اور ایک دن وہ اپنے مطب میں ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ محمد شعیب ان دنوں عالمی بینک کے نائب صدر تھے۔ انہوں نے اپنی بیگم کو واشنگٹن سے کراچی بھیجا اور حکیم محمد سعید کو امریکا بلا لیا۔ طبی معائنے کے بعد انکشاف ہوا کہ اگر تلّی کا فوری آپریشن نہ کیا گیا تو زیادہ نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ حکیم محمد سعید تلی کے متعلق ہونے والی تشخیص سے تو متفق تھے مگر علاج وہ اپنے دیسی طریقے سے کرنے پر بضد تھے۔ انہوں نے کراچی سے واشنگٹن جانے سے قبل اپنا وصیت نامہ تحریر کر کے اپنی سیکریٹری خانم للّی ڈی سلوا کو دے دیا تھا۔ بالآخر وہ آپریشن کروانے پر راضی ہو گئے۔ جارج ٹاؤن اسپتال کے ریڈیو آئی سوٹوپ ڈویژن میں تلی کی کارکردگی کا ازسرنو جائزہ لیا گیا جس نے اس بات کی تصدیق کی کہ اگر مریض کا فوری آپریشن نہ کیا گیا تو ناقابل تلافی نقصان کا خطرہ موجود رہے گا۔ 3 مئی 1971ء کو آپریشن کا دن مقرر ہوا۔ خود کو بے ہوش کیے جانے سے قبل انہوں نے ڈاکٹروں سے کہا کہ ''میرا اپنڈکس کا آپریشن بھی لگے ہاتھوں کر دیجیے مگر خیال رہے کہ میں نے زندگی بھر اینٹی بایوٹک ادویات سے پرہیز کیا ہے، اسے ذہن میں رکھ کر میرے جسم کے ساتھ سلوک کیجیے گا اور کسی خطرناک آدمی کا خون مجھے نہ دیجیے گا۔''

اس کے بعد سات گھنٹے کا آپریشن ہوا جو بخیر وخوبی انجام پایا۔ دو روز بعد سرجن نے معائنہ کیا تو حیران رہ گیا۔ اینٹی بایوٹک کے بغیر بھی گہرے گھاؤ بھر چکے تھے۔ سرجن نے اپنی حیرت دور کرنے کے لیے ان سے پوچھا۔

''سعید صاحب! ایک بات تو بتائیں؟''

''جی فرمائیے......!'' حکیم محمد سعید نے کہا۔

''کیا آپ کا جسم عام انسانوں سے مختلف ہے؟ کیوں کہ سارے گھاؤ صرف دو دن میں

ابا جان

دفتر میں ابا جان ایک ڈسپلن قائم رکھتے تھے۔ میں پہلے دن آئی تو انہیں مخاطب کرتے ہوئے میرے منہ سے ''ابا جان'' نکل گیا عادت جو ابا جان کہنے کی پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے فوراً مجھے ٹوک دیا۔ ''دفتر میں' میں ابا جان نہیں ہوں۔'' میرے لیے اتنا ہی جملہ کافی تھا۔ اس کے بعد تو چیئر مین صاحب اور حکیم صاحب کہنے کی ایسی عادت پڑی کہ گھر میں بھی یہی کہنے لگی۔ میں ان کو دیکھتی تھی کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور وہی کرتی تھی۔ میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے کچھ کہیں۔ ساری دنیا مجھے کہہ لے' مجھے پروانہیں تھی لیکن میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ ابا جان مجھے کچھ کہیں۔

ابا جان کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے رفقائے کار سے مشورہ ضرور کرتے تھے۔ ایک دفعہ فیصلہ کر لیتے تو بس اس پر قائم رہتے۔ آخری دنوں میں تو انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ مجھے اپنی نیند کا ایک گھنٹا اور کم کرنا پڑے گا۔ میں نے کہا آپ یہ کیسے کریں گے...... چار گھنٹے تو آپ سوتے ہیں' تین گھنٹے سو کر آپ فنکشن کس طرح کریں گے۔ وہ کہنے لگے نہیں مجھے کام بہت ہے۔ مجھے اپنی نیند کا ایک گھنٹا کم کرنا ہی پڑے گا۔

جب غیر ملکی کرنسی پر پابندیاں تھیں اور بیرونی سفر کے لیے اسٹیٹ بینک سے مقررہ زر مبادلہ ملتا تھا تو ابا جان سفر سے واپس آ کر بچا ہوا ایک ایک ڈالر واپس کر دیتے تھے۔ بعض اوقات تو جتنا فارن ایکسچینج لے گئے ہیں' وہ سارا کا سارا واپس کر دیا ہے۔ ان کا کوئی ''فارن اکاؤنٹ'' نہیں۔ بین الاقوامی کانفرنسوں میں بلایا جاتا اور سفر خرچ پیش کیا جاتا تو وہ لکھ دیتے کہ اس کی ضرورت نہیں' میں اپنے خرچ پر آؤں گا۔ کانفرنسوں اور سیمیناروں میں مقالوں پر اچھا خاصا معاوضہ لینا مجھے پسند نہیں۔

ابا جان کی کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ انہوں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ایسے اجلے اور بھلے' ایک نفس انسان پر کیسے گولیاں چلائی گئیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ خدمت کرنے والے امر ہو جاتے ہیں۔ وہ امر ہو گئے ہیں۔

(سعدیہ راشد)

بھر گئے ہیں!''

''اس جسم میں بڑی مضبوط روح ہے۔'' حکیم صاحب نے مختصر مگر جامع جواب دے کر معالج کو خاموش کر دیا۔

مولانا کوثر نیازی نے 1977ء میں الیکشن کے دوران پاکستان پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر حکیم محمد سعید کو سیاست میں آنے کا مشورہ دیا' جسے انہوں نے محبت کے ساتھ رد کر دیا۔ جب یہ بازگشت

خونِ جگر!

وزیر اعظم پاکستان کی حیثیت سے بے نظیر بھٹو صاحبہ مدینۃ الحکمۃ کا دورہ کر رہی تھیں۔ بیت الحکمۃ کے دورے کے دوران انہوں نے حکیم محمد سعید سے' جو ان دنوں صوبہ سندھ کے گورنر تھے' کہا۔

''گورنر صاحب! کیا آپ ہمیں یونہی گھماتے پھراتے رہیں گے یا چائے وائے بھی پلوائیں گے۔''

اس موقع پر مرکزی وزیر آفتاب شعبان میرانی نے وزیر اعظم سے کہا ''حکیم صاحب تو خود چائے نہیں پیتے۔''

اس پر بے نظیر بھٹو نے حیرت سے حکیم صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا ''تو گورنر صاحب آپ کیا پیتے ہیں؟''

حکیم محمد سعید نے برجستہ جواب دیا ''قوم کے غم میں اپنا خون جگر پیتا ہوں۔'' اس پر بے نظیر بھٹو مسکرا کر خاموش گئیں۔

سنی گئی تو روزنامہ ''آفاق'' کے مدیر مصطفیٰ صادق نے مولانا کوثر نیازی پر چوٹ کی کہ کسی کو تو غیر جانب دار رہنے دیں۔ لیکن مولانا کا اصرار بڑھتا ہی گیا۔ انہوں نے حکیم محمد سعید کے بہترین دوست مسرت حسین زبیری کو آگے بڑھایا وہ انہیں منائیں مگر حکیم صاحب قطعی طور پر سیاست کے خارزار میں آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

پھر ایک دن حکیم محمد سعید کی رائے اور خواہش کے برخلاف پاکستان پیپلز پارٹی نے اعلان کر دیا کہ انہیں ٹکٹ دیا جا رہا ہے۔ انہوں نے پی پی پی کے چیئر مین اور ملک کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے نام تار بھیجا کہ مجھے نظر انداز کر کے یہ ٹکٹ کسی اور کو دے دیا جائے۔ ان کی یہ درخواست بے اثر ثابت ہوئی اور یہ خبر پریس کو جاری کر دی گئی کہ حکیم محمد سعید پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لیں گے۔

اب بے بسی کا عالم یہ تھا کہ قومی اسمبلی کا مبینہ امیدوار نہ چاہتے ہوئے بھی انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر مجبور تھا۔ انتخاب اور سیاست میں حصہ نہ لینے کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ ایک تو ان کا مزاج سیاست کرنے کا نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ جس پارٹی نے انہیں ٹکٹ دیا تھا اس سے ان کی

کوئی وابستگی نہ تھی۔ انہیں تو حیرت اس بات پر تھی کہ وہ اس پارٹی کے ممبر بھی نہ تھے جس نے انہیں انتخابات میں اپنا نمائندہ نامزد کیا تھا مگر وہ جانتے تھے کہ بھٹو صاحب کا اپنا مزاج تھا۔

اب انتخابی جلسوں میں عجیب تماشا ہوا۔ یہ ایک عام روش ہے کہ ان مواقع پر ہر امیدوار اپنے حریف کے ماضی کی ناکامیوں اور خامیوں کو اپنے ووٹروں کے سامنے مبالغہ آمیزی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اے این پی کے امیدوار رفیق باجوہ نے ایک انتخابی جلسے میں حکیم محمد سعید کے خلاف کچھ کہا تو جوابی طور پر وہ خاموش رہے۔ یہ رویہ پارٹی کی مرضی کے خلاف تھا۔ ان کے اس انداز سے تنگ آ کر پاکستان پیپلز پارٹی نے اندر ہی اندر ان کی مخالفت شروع کر دی۔ اب انہیں پارٹی کے رہنماؤں کی طرف سے وارننگ ملی کہ آپ اپنا رویہ تبدیل کریں اور پارٹی کے چیئرمین بھٹو صاحب کی ہر جلسے میں تعریف کیا کریں۔ مگر وہ تو سچائی کے علمبردار تھے۔ بھلا ایسا کیسے گوارا کر سکتے تھے۔ جب انتخابات کے نتائج سامنے آئے تو وہ بری طرح شکست کھا چکے تھے اور وہ تو خود یہی چاہتے تھے۔

حکیم محمد سعید کے ساتھ دل اور تلی کے ساتھ آنکھ نے بھی بے وفائی کرنے کی کوشش کی۔ 1977ء میں مذاکرہ عالمی تعلیمی اسلامی کانفرنس کا انعقاد مکہ میں ہوا۔ پاکستان سے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں میں اے کے بروہی، ڈاکٹر خیرات ابن رسا، عبدالہاشم خان اور ڈاکٹر منظور احمد کے ساتھ حکیم محمد سعید بھی شامل تھے۔ اس کانفرنس کے دوران حکیم محمد سعید کی ذاتی رائے یہ تھی کہ ساری دنیا کے مسلمان ممالک میں پرائمری تعلیم ایک جیسی ہونی چاہیے۔ وہ عملی طور پر بھی اس فکر کو ساتھیوں میں عام کرنے کے لیے کوشاں رہے۔

قیام مکہ کے دوران حکیم محمد سعید کی راتیں خانہ کعبہ میں اور دن مذاکرے کی تیاری میں صرف ہوتے۔ یہ سلسلہ چار روز تک جاری رہا۔ ایک روز ان کے ساتھ آئے ہوئے مندوب ابن رسا نے پوچھا ''بھائی سعید! کیا تمہیں سونے کی عادت نہیں؟ تم مسلسل چار روز سے جاگ رہے ہو۔'' حکیم محمد سعید زیر لب مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ پانچویں رات انہوں نے مدینہ منورہ میں بسر کی۔ وہاں سے نماز فجر کے بعد روانگی ہوئی۔ گاڑی چلاتے ہوئے حکیم محمد سعید کو اچانک یوں محسوس ہوا جیسے آنکھوں کے سامنے شعلے لپک رہے ہوں۔ یہ روشنی ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ دائیں آنکھ بند کی مگر

کیفیت پھر بھی وہی رہی۔ اسی کیفیت میں مکہ پہنچے اور پھر براستہ جدہ لندن آ گئے۔ جہاں وہ چودہ چودہ گھنٹے مطب کرنے لگے اور اس کے بعد کراچی آ گئے۔ آنکھ کی تکلیف نے ہر جگہ بے چین رکھا۔ جب تکلیف برداشت سے باہر ہوئی تو ماہرین امراض چشم سے مشورے ہوئے مگر ان کی تکلیف کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ اسی دوران حکیم محمد سعید کو امریکا جانا پڑا۔ میزبان محمد شعیب نے ان کی آنکھ کے طبی معائنے کا پہلے ہی سے انتظام کر رکھا تھا۔ وہاں یہ حقیقت سامنے آئی کہ دائیں آنکھ کے قرنیہ میں سوراخ ہو چکا ہے اور یہ سوراخ اس قدر غیر معمولی ہے کہ آنکھ کا ڈھیلا کسی بھی وقت سامنے آ سکتا ہے۔ فوری آپریشن تجویز ہوا، مگر یہاں بھی انہوں نے سوچنے کے لیے مہلت مانگی۔ بعد میں قرنیہ کے نامور سرجن ڈاکٹر بل کرٹن سے رابطہ ہوا اور آپریشن کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

مقررہ دن حکیم محمد سعید نے سن کرنے کی دوا کے استعمال کے بغیر آپریشن کرایا اور لیزر کے گیارہ جھٹکے برداشت کیے۔ آپریشن کے اختتام پر سرجن نے حیران ہو کر کہا ''کمال ہے۔'' یہ عمل تو بڑا تکلیف دہ تھا مگر آپ نے اُف تک نہیں کی۔''

حکیم محمد سعید نے زیر لب مسکرا کر جواب دیا محترم جو، شاک میں پہلے اٹھا چکا ہوں وہ ان لیزر شعاعوں سے زیادہ تکلیف دہ تھے۔

ایک جمہوری حکومت کی معزولی کے بعد جب جنرل محمد ضیاء الحق نے صدر کے عہدے کا بھی حلف اٹھا لیا تو انہوں نے حکیم محمد سعید کو اپنا مشیر طب بننے کی پیشکش کی۔ حکیم صاحب نے اس پر بہت غور خوض کیا۔ وہ اس کے حق میں تو نہ تھے مگر صرف ایک مقصد ایسا تھا جس نے انہیں یہ عہدہ قبول کرنے پر آمادہ کیا اور اس خیال سے وہ اس پر آمادہ ہوئے کہ ''اس عہدے پر رہ کر میں طب کے فروغ کے لیے بہتر کام کر سکوں گا۔''

حکیم محمد سعید مشیر طب بن گئے۔ ان کا عہدہ وفاقی وزیر کے برابر تھا۔ اس عہدے کو قبول کرنے کے باوجود انہوں نے مطب نہ چھوڑا اور نہ ہی حکومت سے کسی قسم کی سہولت طلب کی۔ بلکہ فراہم کردہ سہولتیں بھی واپس کر دیں۔ جن میں سرکاری کار، پیٹرول، ٹیلی فون اور گارڈز وغیرہ شامل تھے۔

ایک بار سرکاری خرچ کے لیے ملنے والا غیر ملکی زرمبادلہ، جس کی مالیت بیانوے ہزار روپے

بلا کا آدمی

''میرا نام......'' اس نے اپنا کارڈ میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اپنا نام بتایا۔ نام کے ساتھ بہت سی علمی ڈگریاں اور سماجی اعزازات مرقوم تھے۔ اخبار نویس، وکیل، منتظم، دانشور، آرٹسٹ، آج کل مجلس اقوام متحدہ کے میگزین کوریا کے تامل ایڈیشن کا ایڈیٹر ہے اور اسی تامل اخبار کی روشناسی کی مہم پر دنیا بھر میں گھوم رہا ہے۔ اسے جب معلوم ہوا کہ میں پاکستانی ہوں تو پوچھا۔

''کیا آپ حکیم محمد سعید کو جانتے ہیں؟''

''جاننا کیا معنی۔'' میں نے کہا ''وہ ہمارے مخدوم ہیں، ان کا شمار ہمارے ملک کی ممتاز شخصیتوں میں ہوتا ہے۔''

وہ پچھلے ہفتے کسی کانفرنس کے سلسلے میں امریکا میں ایک ہفتہ حکیم محمد سعید کے ساتھ ایک ہی ہوٹل کے ایک ہی کمرے میں مقیم رہا تھا اور جہاں علوم وفنون کے مختلف شعبوں میں حکیم صاحب کے ورک ودستگاہ کا معترف تھا، وہیں حکیم صاحب کے بعض معمولات سے بھی بہت متاثر تھا۔

''صاحب بلا کا آدمی ہے تمہارا حکیم صاحب۔ غضب کی سردی میں بھی ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہے۔ ٹھنڈا شیروانی پہنتا ہے۔ ایک وقت کا کھانا نہیں کھاتا۔ روزانہ اٹھارہ بیس گھنٹے کام کرتا ہے۔ رات کو ڈائری لکھ بستر پر جاتا ہے۔''

وہ حکیم محمد سعید صاحب کی مصروفیات، معمولات سے کافی باخبر تھا۔ حیرت اس پر ہوئی کہ اسے یہ بات معلوم نہ تھی کہ حکیم صاحب نے پاکستان قومی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑا تھا۔

(ضمیر جعفری کے سفرنامے ''سورج میرے پیچھے'' سے اقتباس۔ مطبوعہ 1995ء)

تھی انہوں نے دوبارہ سرکاری خزانے میں جمع کرا دیا جس پر ان کی وزارت کے ایک آفیسر نے ان سے کہا ''آپ غلط روایات قائم کر رہے ہیں۔''

ان کی سرکاری مصروفیات ان کی پیشہ ورانہ ذمے داریوں کی راہ میں رکاوٹ بننے لگیں تو انہوں نے ایک روز اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور اس کی وجہ یہ لکھی۔

''میرے لمحات بہت قیمتی ہیں۔ میں مزید انہیں ضائع نہیں کر سکتا۔ اس لیے مجھے چھٹی دے دی جائے۔''

اگست 1981ء میں انہیں ایک سانحے سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کی رفیقۂ حیات کا اس دن

انتقال ہوا۔ ان کی شادی 1943ء میں دہلی میں ہوئی تھی۔ 1948ء میں وہ اپنے شوہر اور بچی کے ساتھ کراچی آ گئیں تھیں۔ انہوں نے گھر کی تمام تر ذمے داریاں اپنے سر لے کر شوہر کو زندگی کے دیگر معاملات کے لیے آزاد کر دیا تھا۔ حکیم صاحب آخری وقت تک اپنی بیوی کے ان احسانات کو نہیں بھولے۔ وہ اکثر اپنی بیگم کے اس ایثار کا ذکر کرتے تھے کہ انہوں نے ''ہمدرد پاکستان'' کے قیام کے لیے اپنا زیور تک بیچ دیا اور کبھی اس کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ ایک بار حکیم محمد سعید نے کہا کہ زیور واپس لے لو تو کہا کہ میرا زیور تو آپ ہیں۔ 38 سالہ رفاقت کے اس سفر میں انہوں نے ہمیشہ رات دیر تک آنے پر شوہر کا انتظار کیا اور ان سے پہلے کبھی رات کا کھانا نہیں کھایا۔ اولاد نرینہ نہ ہونے پر انہوں نے حکیم محمد سعید کو دوسری شادی کا بھی مشورہ دیا، جو انہوں نے نہ مانا۔

1983ء کا سال حکیم محمد سعید کے لیے اہم تھا۔ خانہ کعبہ میں انہیں ایک ایسے شہر کے بسانے کا خیال آیا جو علم وحکمت کا منبع ہو اور جہاں بیک وقت تعلیم وتحقیق کی تمام تر سہولتیں میسر ہوں۔ اسی خیال کو انہوں نے زندگی کا مشن بنا لیا۔ اس شہر علم وحکمت کے لیے کراچی سے چند میل دور ایک بیاباں میں 260 ایکٹر زمین خریدی گئی۔ اس جگہ کی پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ تاریخی شواہد کے مطابق یہاں محمد بن قاسم کے قدم سندھ میں داخلے کے وقت سب سے پہلے پہنچے تھے۔ جب حکیم محمد سعید نے زمین خرید کر یہاں ایک شہر علم وحکمت بسانے کا خیال ظاہر کیا تو سب ہی نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔ ایسی بے آباد جگہ جہاں پانی کا بھی انتظام نہ تھا، وہاں تعلیمی شہر بسانے کا خواب عقل سے ماورا لگتا تھا۔ مگر وہ تو کام کے دھنی تھے۔ ارادہ کر کے فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیتے تھے اور خود عملی کام میں مصروف ہو جاتے تھے۔

دسمبر 1983ء کی ایک سرد شام ملک کے دانشوروں اور عالموں نے اپنے اپنے نام کی ایک اینٹ رکھ کر اس کی تعمیر کا آغاز کیا۔ کام آگے بڑھتا گیا۔ دو سال بعد ایک بڑی جامعہ ''ہمدرد یونی ورسٹی'' کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس کے دو سال بعد 1987ء میں ہمدرد پبلک اسکول کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ جب یہ اسکول مکمل ہو گیا تو یہاں تعلیم کا آغاز ہوا۔

1991ء میں بڑی کوششوں کے بعد ہمدرد یونیورسٹی کا چارٹر منظور ہوا اور حکیم محمد سعید اس کے

کالم نویسوں کا خراج عقیدت

☆حکیم صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی دنیا آپ پیدا کرتے ہیں۔ دلّی کے ایک متوسط گھرانے کا لڑکا جو باپ کے سائے سے محروم' ماں اور بڑے بھائی کے سہارے دنیا کمانے نکلا تھا' اس نے اپنا سفر اس تیزی سے طے کیا کہ پھر تو دنیا پیچھے رہ گئی اور وہ علم و ادب کی خدمت کا سودا سر میں لیے منزلوں مارتا چلا گیا۔ افسوس' جسے دلّی کے بلوائی نہ مار سکے اسے ہم نے مار دیا۔ (زاہدہ حنا)

☆پاکستان کے پچاس برسوں پر نگاہ دوڑائیں تو تین عظیم ترین پاکستانی دکھائی دیتے ہیں۔ قائداعظم' ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور حکیم محمد سعید (عبدالقادر حسن)

☆وہ اپنی زبان سے' اپنے قلم سے' اپنی دولت سے' اپنی محنت سے' اپنے خیالات سے اس دنیا کو بدل دینا چاہتے تھے۔ اس ملک کو عظیم تر بنا دینا چاہتے تھے اور اس شہر کی روشنیوں میں اضافہ کر دینا چاہتے تھے۔ افسوس کہ جس شہر نے ان کی صلاحیتوں سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا اسی کی سڑک پر ان کی لاش خون میں نہاتی پڑی تھی۔ ان کی شہادت سے دورِ مسیحائی تمام ہوا۔ (نفیس صدیقی)

☆جس کے دل میں پاکستان کی محبت تھی' جو غریبوں کا ہمدرد تھا۔ جس کے خون کے ہر قطرے میں اسلام کی عقیدت اور علم کے چراغ جل رہے تھے۔ اس گرم خون کو سڑک پر بہا دیا گیا۔ ایک خوش پوش نفیس شخص کو فرش پر گرا دیا۔ چند سکوں کی دو چٹکی بارود اور لوہے کے برادے نے مدینۃ الحکمۃ اور لاکھوں کتابوں کو ذہن میں رکھنے اور سیکڑوں کتابوں کو لکھنے والے کو خاموش کر دیا۔ (قمر علی عباسی)

تمہارے بچوں میں جو بانٹتا تھا علم کا نور
اسی منارۂ دانش کو ڈھا دیا لوگو.........!

(اقبال حیدر)

ہم جو بیمار ہیں کہاں جائیں
جب مسیحائے روزگار گیا
ہوگئی بارگاہِ طب ویران
آخری بار لٹ گیا یونان

(جون ایلیا)

3 جون اور ہمدرد

☆3 جون 1947ء کو ریڈیو دہلی سے تقسیم ہند کا منصوبہ پیش ہوا۔ یہ تاریخ ہمدرد کے لیے بھی اہم ہے۔

☆3 جون 1948ء کو کراچی میں حکیم محمد سعید کے ہاتھوں ہمدرد کا قیام عمل میں آیا۔

☆3 جون 1991ء کو صدر پاکستان کے ہاتھوں حکیم محمد سعید کو ہمدرد یونیورسٹی کا چارٹر ملا۔

☆3 جون 1998ء کو وزیر اعلیٰ پنجاب کے ہاتھوں ہمدرد مرکز' ہمدرد مطب اور ہمدرد کانفرنس سینٹر کا افتتاح ہوا۔

تاحیات چانسلر منتخب ہوئے۔ انہوں نے ڈاکٹر منظور الدین احمد کو اس کا پہلا وائس چانسلر مقرر کیا۔ یہیں ہمدرد لائبریری کا قیام بھی عمل میں آیا۔ اسے ''بیت الحکمۃ'' کا نام دیا گیا۔ یہاں پر ہمدرد سینٹر کراچی سے حکیم محمد سعید کے ذاتی ذخیرے کی تمام کتب لائی گئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے پبلشروں اور لائبریریوں سے خریداری اور تبادلے کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ حکیم محمد سعید کا عزم تھا کہ اسے پاکستان کی سب سے بڑی لائبریری بنایا جائے۔ اس لائبریری کا افتتاح 11 دسمبر 1989ء کو اس وقت کے صدر غلام اسحٰق خان نے کیا۔ بیت الحکمۃ کی یہ عمارت ایک لاکھ ستائیس ہزار مربع فٹ پر مشتمل ہے جو مکمل طور پر ائیر کنڈیشن ہے۔ یہاں پر کمپیوٹر' ٹیلی فون' انٹر کام' فیکس' اسکیننگ مشین' انٹرنیٹ' آڈیو ویڈیو سیکشن' پروجیکٹر' اوور ہیڈ پروجیکٹر فلم' مائیکروفش' لیمی نیشن' اور فوٹو کاپی کی سہولتیں موجود ہیں۔

اس لائبریری میں عربی' اردو' فارسی اور انگریزی کی تقریباً سوا چار لاکھ سے زائد کتابیں موجود ہیں۔ حکیم محمد سعید کی خصوصی توجہ تو سارے شعبوں پر ہی رہی مگر دو شعبے خصوصی طور پر پروان چڑھے۔ ان میں ایک ترجمہ قرآن ہے۔ یہاں پر 64 زبانوں پر مشتمل 359 تراجم قرآن کے نسخے ہیں۔ دوسرا شعبہ تراشہ جات کا ہے۔ جہاں تقریباً گیارہ سو موضوعات پر تراشہ جات کی فائلیں قارئین کے استفادے کے لیے موجود ہیں۔

حکیم محمد سعید کی کتاب سے محبت کا یہ واقعہ بھی یاد رکھا جائے گا کہ ایک بار ایران میں گھومتے ہوئے لب سڑک کسی پرانے کتب فروش سے انہوں نے فارسی کی ایک کتاب خریدی اور بعد میں اسے ہمدرد لائبریری کے ذخیرے میں جمع کرا دیا۔ حکیم محمد سعید اس کتاب کو بھول چکے تھے۔ ایک

بار پھر اس کتاب کی کہانی گردش میں آئی جب ایران کے سرکاری علمی تحقیقی ادارے کا ایک وفد بیت الحکمۃ کا دورہ کرنے آیا۔ وہ لائبریری کی خدمات سے بے حد متاثر ہوئے۔ اسی دوران ان کی نظر فارسی شاعری کے اس مجموعے پر پڑی جو حکیم محمد سعید ایران کے پرانے کتب فروش سے خرید کر لائے تھے۔ وفد کے ارکان جان گئے کہ یہ تو ایران کے عظیم شاعر فردوسی کا خود ہاتھ سے لکھا ہوا مسودہ ''شاہنامہ'' ہے۔ وفد حکیم محمد سعید سے ملا اور اس مسودے کو ملک کے میوزیم میں رکھنے کے لیے مانگا۔ اس کے بدلے انہوں نے حکیم محمد سعید کو خطیر رقم کی پیشکش بھی کی مگر حکیم محمد سعید نے ان کا مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ کتاب اب بیت الحکمۃ کی امانت ہے اور اس پر صرف اور صرف اس کے قارئین کو ہی مطالعے کا حق ہے۔

حکیم محمد سعید کا علم و ادب میں خدمت کا سفر یہاں تک محدود نہیں بلکہ انہوں نے شام ہمدرد کا پلیٹ فارم بھی اس سے قبل تشکیل دیا تھا۔ تعلیمی ادارے بھی قائم کرتے جا رہے تھے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت اور تفریح کے لیے انہوں نے 1953ء میں ہمدرد نونہال بھی جاری کیا تھا۔ 1988ء میں بزم ہمدرد نونہال کا آغاز ہوا۔ حکیم محمد سعید نے خود زندگی بھر وقت کی پابندی کو شعار بنایا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ بچوں کو اس تربیت سے محروم کرتے۔ انہوں نے یہاں بھی پابندی وقت کا درس دیا اور ہمیشہ یہ بزم مقررہ وقت پر شروع کرا دیتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں بچوں کے ادب پر توجہ نہیں دی گئی۔ حکیم محمد سعید کو اس کا بڑا قلق تھا۔ انہوں نے ہمدرد کے پلیٹ فارم سے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی اور ریڈیو پاکستان کے سینئر براڈ کاسٹر رفیع الزمان زبیری کی خدمات حاصل کر کے ایک شعبہ نونہال ادب قائم کیا اور اس کے تحت بچوں کی کتب کی اشاعت کا آغاز کر دیا گیا۔ اس کے لیے ملک کے تمام ادیبوں سے مسودات طلب کیے گئے۔ خود حکیم محمد سعید نے بھی اس شعبے کے لیے کئی کتابیں لکھیں۔ انہیں یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ بچوں کے لیے سب سے زیادہ سفر نامے انہوں نے ہی لکھے ہیں۔ بچوں کے لیے سب سے پہلا سفر نامہ لکھنے کا اعزاز ان کے رفیق خاص مسعود احمد برکاتی کو حاصل ہے۔

1993ء میں ملک کے وزیراعظم محمد نواز شریف مستعفی ہوئے تو سندھ حکومت میں بھی تبدیلی

افکار سعید

☆''ہم نے زبان سے اقرار کیا ہے مگر اپنے تسلسل عمل سے اس حقیقت کی نفی کی ہے کہ نونہال بھی پاکستان کا عنوان ہیں۔ نونہالوں کا عظمت پاکستان کی عظمت و رفعت ہے۔ اگر ہم نے اپنے نونہالوں کو عظیم نہ بنایا تو پاکستان عظیم و رفیع نہیں بن سکتا۔ گزشتہ پچاس سال سے ہم پورے ظلم و تسلسل کے ساتھ نونہالوں کو جہل اور جہالت کی نظر کرتے رہے ہیں۔ ہم نے نہایت بے شرمی کے ساتھ گولڈن جوبلی منائی مگر ہم نے 95فی صد نونہالوں کو تعلیم و تربیت سے محروم کر رکھا ہے۔ اگر آج پاکستان حقیر، فقیر اور سراپا تقصیر ہے تو اس کی وجہ تربیت و تعلیم نونہالان سے غفلت ہے۔''

ہوئی۔ حکیم محمد سعید اعلیٰ حکومتی اداروں کے بے حد اصرار اور ملکی مفاد میں سندھ کے گورنر بنے۔ وہ تقریباً چھ ماہ اس عہدے پر فائز رہے۔ اس دوران انہوں نے صوبے میں جامعات کے اضافے کے لیے کوششیں کیں اور کامیاب بھی رہے۔ ان کے دور میں چار نئی جامعات کو چارٹر ملے۔ اس کے علاوہ تعلیمی مسائل کے حل کے لیے انہوں نے ماہرین تعلیم اور محکمہ تعلیم کے ذمے داران پر مشتمل ایک تعلیمی گول میز کانفرنس بھی بلائی۔

15 دسمبر 1994ء کو کراچی کے ایک ہوٹل میں یونیسف کی بچوں سے متعلق ایک رپورٹ کی تعارفی تقریب تھی۔ جس کی صدارت نثار کھوڑو کر رہے تھے۔ حکیم محمد سعید کو بھی اس تقریب میں بطور خاص بلایا گیا تھا۔ انہوں نے اس تقریب میں نونہالانِ پاکستان کی بے بسی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''جب بھوک اور فاقہ کشی کے شکار نحیف و نزار بچے کوڑوں کے ڈھیر پر غذا تلاش کرتے نظر آتے ہیں تو میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو ان کے دکھوں کا مداوا کر سکے۔ اگر ہم نے اس وقت قوم کے ان نونہالوں کے حال پر توجہ نہیں دی تو انسانیت کے بنیادی مسائل اور گمبھیر ہو جائیں گے۔''

تقریب کے اختتام پر حکیم محمد سعید اپنے دوستوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے کہ ایک صحافی ان کے پاس آیا اور نہایت رازداری کے ساتھ اپنا پیجر ان کے سامنے کر دیا۔ پیجر پر پیغام تھا۔

''حکیم سعید کو گولی مار دی گئی!''

انہوں نے یہ پڑھ کر ایک زبردست قہقہہ لگایا۔اس پر وہ صحافی ہی نہیں آس پاس موجود دیگر دوست واحباب بھی انہیں غور سے دیکھنے لگے۔اتنے میں ہوٹل کا منیجر پریشانی کے عالم میں آیا اور کہنے لگا ''سر ہوٹل میں ٹیلی فون کالوں کا تانتا بندھ گیا ہے اور ہر کوئی آپ کے بارے میں معلوم کر رہا ہے۔'' یہ بات آناً فاناً ہوٹل میں موجود تمام ہی لوگوں کو معلوم ہوگئی اور وہ حکیم محمد سعید کے قریب آتے گئے اور ان سے خیریت دریافت کرنے لگے۔وہ ہنس کر سب کو جواب دیتے۔ دوسری جانب ہمدرد سینٹر میں بھی پاکستان کے ہر کونے اور دنیا بھر سے حکیم محمد سعید کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون آنے لگے اور وہاں موجود عملہ انہیں مطمئن انداز میں جواب دیتا رہا۔ یہی عالم اخبارات کے دفاتر میں بھی رہا۔

ریڈیو پاکستان کراچی نے عوام میں پھیلی بے اطمینانی اور حکیم محمد سعید سے ان کی محبت دیکھ کر فوری طور پر حکیم محمد سعید کا اپنی خیریت کے بارے میں پیغام ریکارڈ کیا اور ریڈیو کی جاری نشریات میں ہر گھنٹے بعد نشر کرتے رہے۔

اس افواہ کے بعد حکیم محمد سعید مطب کرنے جس شہر بھی گئے لوگ بے اختیار ان سے لپٹ گئے۔حکیم محمد سعید کی آنکھوں سے اس وقت آنسو رواں ہو جاتے اور ان کا دل فرط مسرت سے بھر آیا۔وہ خود کو خوش قسمت انسان تصور کر رہے تھے کہ لوگ ان سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔اس افواہ پر ان کا تبصرہ تھا۔

''یہ افواہ دراصل پاکستان میں میری عوامی مقبولیت کا ایک جائزہ تھا۔ان افواہ گروں کے ذہن میں بھی نہ تھا کہ افواہ بجلی کی لہروں کی طرح پاکستان کے کونے کونے تک پہنچ جائے گی۔خود مجھے بھی یہ اندازہ نہ تھا۔اب ان افواہ سازوں کو میرے قتل کے لیے زیادہ غور کرنا پڑے گا۔''

ایک بار حکیم محمد سعید نے چند غیر ملکی حضرات کے اعزاز میں ایک بڑے ہوٹل میں دعوت کا اہتمام کیا۔کفایت شعاری کے خیال کے پیش نظر فیصلہ یہ کیا گیا کہ ہمدرد کے کارکنان اس ہوٹل میں کھانا نہیں کھائیں گے۔ان کے لیے الگ انتظام کیا گیا تھا۔ڈائریکٹر انفارمیشن سید رحمن علی کو یہ بات ناگوار گزری۔انہوں نے اپنے ہم خیال ساتھیوں سے کہا کہ وہ کھانا ہی نہ کھائیں۔جب حکیم محمد سعید کو یہ اطلاع ملی تو وہ مسکراتے ہوئے آہستہ آہستہ کارکنان کے قریب آئے۔سید رحمن علی

سے مخاطب ہو کر کہا ''آج بھوک لگ رہی ہے۔بہتر ہے کہ کھانا ابھی اور اسی ہوٹل میں کھالیا جائے۔''

رحمن علی نے حیرت کے انداز میں انہیں دیکھا اور بڑی مشکل سے ایک جملہ کہا ''مگر حکیم صاحب......! آپ تو دوپہر کا کھانا کھاتے ہی نہیں......!''

''کبھی کبھار احباب کے ساتھ کھالینے میں لطف آتا ہے۔'' ان کا جواب تھا۔اس کے ساتھ ہی کھانا بھی لگ گیا اور پھر سب نے ساتھ ہی اس ہوٹل میں کھانا کھایا۔خود حکیم محمد سعید نے آم کی چند قاشیں ہی کھائیں اور وہ اپنے ساتھیوں کو کھاتا دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔بعد میں جب ساتھیوں کو اصل حقیقت معلوم ہوئی تو وہ بڑے شرمندہ ہوئے۔حکیم محمد سعید نے ثابت کر دیا کہ جب احباب کی دل شکنی ہو رہی ہو تو اصولوں کو قربان کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک واقعہ پشاور کے مطب میں پیش آیا۔ایک معمر خاتون اپنی باری پر ان کے مطب میں آئی۔اس کے پاؤں میں شدید تکلیف تھی۔طبیب نے مریض کے گھریلو حالات بھی معلوم کیے تاکہ درد کے اصل اسباب تک پہنچا جا سکے۔مریضہ نے بتایا کہ وہ بیوہ ہے اور اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے اسے سلائی مشین پر بیٹھ کر کام کرنا پڑتا ہے۔جسے پاؤں سے چلایا جاتا ہے۔مرض کی نوعیت کے پیش نظر حکیم محمد سعید نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ سلائی مشین میں موٹر لگوا لیں۔

موٹر کا سن کر مریضہ نے کہا ''اتنے پیسے کہاں سے لاؤں کہ موٹر لگوا سکوں۔'' حکیم محمد سعید نے دل جوئی کے انداز میں اس سے گھر کا پتا معلوم کیا۔ان کے مخصوص اشارے پر ان کے معاون یہ پتا لکھ رہے تھے۔جب وہ خاتون مطب سے باہر نکلیں تو انہوں نے حکم دیا کہ ''رات ہونے سے قبل ان خاتون کی سلائی مشین میں موٹر لگ جانی چاہیے۔''

حکیم محمد سعید ایک انقلابی انسان تھے۔قتل کی افواہ جیسے منفی پروپیگنڈے سے ان کے اندر مثبت تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔انہوں نے پہلے سے زیادہ پاکستان کی خدمت کرنے کو اپنا شعار بنایا۔وہ پاکستان میں موجود سماج دشمن عناصر کے خلاف سینہ تان کر ڈٹ گئے۔اب تقریر کے ساتھ ساتھ انہوں نے تحریر کی رفتار بھی تیز کر دی۔ایک بار انہوں نے اپنے ساتھی رفیع الزماں زبیری سے کہا کہ مجھے بہت کام کرنا ہے اس لیے میں سوچ رہا ہوں کہ اپنی نیند کا ایک گھنٹا کم

کردوں۔ زبیری صاحب فکر مند ہوئے اور کہا ''حکیم صاحب آپ پہلے ہی نیند کم لے رہے ہیں۔ کہیں اس کے مضر اثرات آپ کی صحت پر نہ پڑیں۔''

انہوں نے جواب دیا '' اللہ مالک ہے''۔ ان کی اکلوتی بیٹی سعدیہ راشد بھی ان کے اس فیصلے سے پریشان ہوئیں۔

حکیم محمد سعید ارسطو کے اس قول کی انسانی شکل تھے کہ ''کسی بھی پیشے میں کامیابی اور مہارت کے لیے تین چیزیں لازمی ہیں۔ فطرت (قدرتی صلاحیتیں اور عادات) مطالعہ اور پھر اس پر عمل۔''

وہ اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے پاکستان اور اسلام کو نقصان پہنچانے والوں کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے۔ قومی اخبارات کے ساتھ پندرہ روزہ آواز اخلاق میں' جس کے وہ خود مدیر تھے' ان کے مضامین تواتر کے ساتھ شائع ہونے لگے۔

17 اکتوبر 1998ء کی صبح کا آغاز ہونے والا تھا۔ وہ روزہ کی نیت کر کے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اپنی گاڑی میں آرام باغ مطب کی جانب روانہ ہوئے۔ ہر ہفتہ اور اتوار کو آرام باغ میں مطب کرنا ان کا معمول تھا۔ آج بھی مطب میں مریضوں کا جم غفیر تھا جو اپنے مسیحا کی آمد کے منتظر تھے۔ گاڑی مطب کے پاس رکی۔ گاڑی کا

حوالہ جات!

1 حیات۔ سعید از ستار طاہر۔
2۔ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ' لاہور۔ جنوری 1999ء۔
3۔ وہ بھی کیا دن تھے از مسعود احمد برکاتی۔
4۔ سہ ماہی انشاء' حیدرآباد۔
5۔ بچوں کے حکیم محمد سعید۔
6۔ سال گرہ از حکیم محمد سعید۔
7۔ حکیم محمد سعید۔ یادیں اور باتیں مرتبہ رفیع الزماں زبیری۔
8۔ اردو ڈائجسٹ مارچ 2002ء۔
9۔ سورج میرے پیچھے از ضمیر جعفری۔
10۔ کتاب سعید از ڈاکٹر ظہور احمد اعوان۔
11۔ ''دردن روس۔ دیدوشنید'' از حکیم محمد سعید۔
12۔ زیرو پوائنٹ از جاوید چوہدری۔
13۔ خبرنامہ ہمدرد۔ مختلف شمارے۔
14۔ روزنامہ جنگ کراچی کی متعدد اشاعتیں۔
15 روزنامہ امت کراچی کی متعدد اشاعتیں۔
16۔ ذاتی ملاقات از رفیع الزماں زبیری۔

دروازہ کھولنے کے لیے ایک کارکن ولی خان آگے بڑھا۔ حکیم محمد سعید گاڑی سے اترے اور اپنی ٹوپی کارکن کے حوالے کرتے ہوئے آگے بڑھنے کے لیے ابھی ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ تین جانب سے ان پر فائرنگ ہوئی اور وہ اپنے کارکن اور معاون حکیم عبدالقادر قریشی کے ساتھ ہی زمین پر گر پڑے۔ ان کی صاف شفاف سفید شیروانی خون میں نہا گئی۔ حکیم محمد سعید کی روح اسی وقت قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کے کارکن بھی ان پر قربان ہو کر موت کی آغوش میں جا سوئے تھے۔

ادھر مریضوں کے لیے یہ منظر انتہائی صدمہ اور دکھ کا باعث بنا اور کیوں نہ ہوتا ان کا مسیحا' ان کا ہمدرد آج ان کے سامنے خون میں نہا گیا تھا۔ حکیم محمد سعید کی شہادت نے ملکی اور بین الاقوامی طور پر سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کوئی معمولی موت نہیں تھی بلکہ ایک عہد ساز شخصیت کی موت تھی۔ انہوں نے تشکیل پاکستان میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

ان کی آخری خواہش تھی۔

''میں ایسے حال میں فرشتہ' اجل کا استقبال کرنا چاہتا ہوں کہ میری نگاہوں کے سامنے ہمدرد اسکول اور الفرقان میں پانچ ہزار بچے تعلیم پا رہے ہوں۔ ہمدرد یونیورسٹی امتیازات کے ساتھ ہزارہا جوانوں کو انسان کامل بنا رہی ہو۔ یہ جوان دنیا بھر میں پھیل کر آواز حق بلند کرنے کی تیاری میں کمربستہ ہوں۔''

اسی دن شام کو انہیں ان کی متعین کردہ جگہ پر مدینۃ الحکمۃ میں دفن کر دیا گیا۔

لو وصل کی ساعت آ پہنچی پھر حکم حضوری پر ہم نے
آنکھوں کے دریچے بند کیے اُور سینے کا در باز کیا

(تحریر: غلام حسین میمن)